انسان کی حقیقت، عقل اور وحی کی نظر سے

مؤلف: ڈاکٹر محمد حسین طالبی
مترجم: شبیہ عباس خان

انسان کی حقیقت کے سلسلے میں دانشوروں کے درمیان ایک مشہور عقیدہ یہ ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ اُن کے نزدیک نظریاتی سمجھ، یعنی سوچنے اور سمجھنے کی قوت ہی ناطقیت ہے لہٰذا مشہور نظریہ کے مطابق، انسان ایک ایسا عاقل حیوان ہے جس میں سوچنے کی قوت ہے۔ اس مقالے کا ہدف اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ انسانیت عام تصورات کو درک کرنے کہ ساتھ ساتھ خدا پر ایمان اور اس سے رابطہ میں بھی مضمر ہے۔ اس دعوے کی وضاحت قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں کی گئی ہے۔ لہٰذا نہ صرف نظریاتی سمجھ کا ہونا، بلکہ عقل عملی اور اس کی پیروی بھی انسانی وجود کا جز ہیں۔ عقل عملی کی پیروی کرنے والا نیک کام انجام دیتا ہے اور نیک کام کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ قرب الٰہی مقصود نظر ہو۔ انسانیت ایک تشکیکی اور سیال حقیقت ہے۔ اس وجہ سے انسان فطری لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

انسان کی شناخت بشری زندگی کے ان اہم مسائل میں سے ہے جو عرصے سے دنیا کے دانشوروں کی توجہ کا مرکز ہے۔ انسان کی معرفت کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ بعض روایات میں اس معرفت کو خدائے متعال کی معرفت تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

انسانی ماہیت کی حقیقی شناخت کے لئے علم انسان شناسی سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ علم انسان شناسی سے متعلق مختلف علوم میں گفتگو ہوتی ہے۔ علم فلسفہ میں نفس سے متعلق موضوعات پر بحث ہوتی ہے۔ علم عرفان میں انسان اور انسان کے مقام اور مرتبے کے متعلق گفتگو ہوتی ہے۔ علم دین راہ اور رہنماشناسی کے متعلق اور علوم تجربی عوام شناسی سے متعلق ہیں۔ ان سارے علوم میں انسان اور انسان کے کسی ایک پہلو کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے لہٰذا انسان شناسی کی مختلف قسمیں ہیں جسے مختلف طریقوں سے سمجھا جا سکتا ہے:

❖انسان شناسی فلسفی جو عقلی روش سے ممکن ہے۔
❖ انسان شناسی دینی جو نقلی روش یعنی کتاب و سنت کے ذریعے انجام پاتی ہے۔
❖انسان شناسی عرفانی جس کا ذریعہ کشف و شہود ہے۔
❖انسان شناسی تجربی جس میں تجربہ کے ذریعے تحقیق کی جاتی ہے۔

چونکہ اس تحریر کا موضوع حقیقت انسان کو عقل اور وحی کی نظر سے طے کرنا ہے لہٰذا سب سے پہلے فلسفیانہ انسان شناسی کی تعلیمات سے مدد لیتے ہوئے بحث کا آغاز ہوا ہے اور انسان کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں فلسفیانہ گفتگو کے دوران قرآنی شواہد کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اس تحریر کے قارئین قرآن و سنت کی جانب سے عقلی مباحث کی تائید کو قبول کرتے ہیں لہٰذا اس مقالہ میں فلسفی اور دینی انسان شناسی کے امتزاج پر توجہ دی گئی ہے۔

فلسفی اور مذہبی انسان شناسی

فلسفی - مذہبی انسان شناسی، فلسفی انسان شناسی اور مذہبی انسان شناسی کا مجموعہ ہے۔ فلسفی انسان شناسی سے مراد انسان کے سلسلے میں وہ عقلی معارف ہیں جو علم فلسفہ کی مدد سے عقلی دلائل کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان سے متعلق وہ معارف جو قرآن و سنت میں موجود نصوص سے حاصل ہوتے ہیں مذہبی انسان شناسی کہلاتے ہیں۔

صدیوں سے مسلمان فلسفیوں نے اپنے فلسفی آثار میں انسان کے نفس اور اس کی حقیقت اور قوّت و خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں پر اُنہیں مباحث پر اکتفا کی جائے گی جو ہمارے موضوع سے مرتبط ہیں۔ فلسفیانہ انسان شناسی سے مرتبط مواد میں تحقیق کا جو طریقہ ہے وہ استدلالی ہے۔ اسی طرح انسان کے سلسلے میں آنے والے مباحث کو مقبول بنانے اور اُن پر عمل درآمد کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات سے اثبات کے ساتھ، مذہبی انسان شناسی میں نقلی طریقے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

انسان کی حقیقت عقل کی نظر سے

مسلمان فلسفیوں اور منطقیوں نے اپنے آثار میں انسان کی حقیقت کو پہچنوانے کے سلسلے میں زبردست کوشش کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے انسان کو حیوان ناطق بتایا ہے۔ حیوان بمعنی ایک نمو کرنے

والا جسم جس میں حواس ہیں اور اپنے ارادے سے حرکت کرنے کی اس میں صلاحیت ہے[۱]۔ ناطق سے مراد ایسا موجود جو مفاہیم کلی کو درک کرسکے لہٰذا حیوان ناطق ایک ایسا حیوان ہے جس میں کلیات کو سمجھنے کی صلاحیت ہو۔

ناطق یعنی عاقل

منطق دانوں نے ناطق کو انسان کی فصل بتایا ہے۔ فصل کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک قسم کے جنس کو دوسرے قسم کی اجناس سے الگ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر انسان اپنے کچھ افعال میں حیوانات جیسا ہے کیونکہ انسان بھی دوسرے حیوانات کی طرح ایک قسم کا حیوان ہے۔ کھانا پینا، اپنی خواہش سے حرکت، اور کلی علوم کا مالک ہونا اُن صفات میں سے ہیں جو انسان اور دوسرے قسم کے حیوانات میں مشترک ہیں۔ انسان کو دوسرے حیوانات سے جدا کرنے کے لئے اس کی حیوانیت کے ساتھ ساتھ اس کی سب سے ممتاز خصوصیت کو بھی اس کی تعریف میں شامل کرنا ہوگا۔ انسان کی اس ممتاز خصوصیت کو نطق کہتے ہیں۔ انسان صفت ناطقیت سے ہی دوسرے حیوانات سے الگ ہوتا ہے۔ لفظ ناطق ایک عربی لفظ ہے جو نطق سے لیا گیا ہے۔ لفظ نطق دو معنی میں استعمال ہوتا ہے، بولنا اور سوچنا۔

ابن سینا اپنی کتاب شفا میں کہتے ہیں: نطق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اندرونی نطق جو وہی سوچ ہے اور انسان کے باطن میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔

۲۔ بیرونی نطق جو ظاہری تکلم ہے[۲]۔

سید شریف جرجانی بھی اپنی کتاب شرح شمسیہ کے حاشیے میں نطق کے دونوں معانی کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس نکتے کا اضافہ کرتے ہیں کہ باطنی نطق معقولات کو سمجھنا اور درک کرنا ہے (نہ صرف معقولات پر سوچنا)[۳] لہٰذا حیوان ناطق ایک ایسا سمجھدار حیوان ہے جو معقولات اور کلی مفاہیم کو درک کرسکے۔ انسان کی اس طاقت کو جس سے وہ کلی مفاہیم کو درک کر پاتا ہے عقل کہتے ہیں۔ اس حساب سے انسان کو عاقل حیوان کہا جاسکتا ہے۔

۱۔ جرجانی، سید شریف، الحاشیہ علی شرح الشمسیہ، ص ۴۷

۲۔ ابن سینا، حسین، الشفاء المنطق، ص ۲۰

۳۔ الحاشیہ علی شرح الشمسیہ، ص ۱۲

نتیجہ یہ کہ اوپر بیان کردہ تعریف کے حساب سے انسان کی ذاتی خاصیت تعقل یعنی مفاہیم کلی کو درک کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن مصنف کی نظر میں انسان کی یہ تعریف مکمل تعریف نہیں ہے۔ انسان کے عاقل ہونے کا ایک اور مطلب بھی ہے جو مفاہیم کلی کو درک کرنے والے معنی کو مکمل کرتا ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لیے جو اس مقالے کے اہداف میں سے ایک ہے، عقل کے معنی اور اس کے اقسام کو سمجھنا ہوگا ہے۔

عقل انسانی کا مفہوم اور اس کے اقسام

لغت میں عقل کے معنی ایک ایسی رسّی ہے جسے اونٹ کے گھٹنوں میں باندھ دیا جاتا ہے جس سے اس کے من مانے حرکات کو روکا جاسکے۔ انسان کی عقل بھی ایک غیر مادی حقیقت ہے جو اُس کے من مانے اور بہکانے والے حرکات کو روکنے کے لیے خلق ہوئی ہے اور اس کو فکری تاریکیوں اور عملی برائیوں سے بچاتی ہے۔

عقل دو قسم کی ہے : عقل نظری اور عقل عملی۔ مسلمان دانشوروں کے درمیان عقل کی اِن دونوں قسموں کی کارآمدگی کے فرق کو لے کر اختلاف ہے۔ عقل عملی میں درک کی صلاحیت بھی ہے اور ارادہ شدہ عمل بھی انجام دیتی ہے۔ اس لحاظ سے انسان جو ایک حیوان عاقل ہے، اپنی عقل عملی کے ذریعے ضروری اور غیر ضروری قسم کے کُلّی مفاہیم کو درک کر سکتا ہے اور اسی طرح اس سے نیک کام انجام دینے کا اور برے کاموں سے پرہیز کا ارادہ بھی سرزد ہو سکتا ہے اور اپنے اعضاء وجوارح کو حکم دے سکتا ہے کہ نیک کام کریں اور بُرے افعال سے خود کو بچائیں۔

نتیجہ یہ کہ انسان حیوان ناطق ہے اور حیوان ناطق کا مطلب حیوان عاقل ہوتا ہے۔ حیوان عاقل ایسا حیوان ہے جو عقل عملی اور عقل نظری دونوں کا مالک ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان حیوان بھی ہے اور ناطق (عاقل) بھی ہے یعنی ایک باارادہ متحرک جسم کا نام بھی ہے اور عقل نظری (موجود اور غیر موجود قسم کے کلی مفاہیم کو درک کرنے کی قوت) کا بھی مالک ہے اور ساتھ ہی عقل عملی (ضروری اور غیر ضروری قسم کے کلی مفاہیم کو درک کرنے کی قوت اور اُس کے ساتھ نیک کام انجام دینے اور برے امور سے پرہیز کے ارادے کی قوت اور اسی کے ساتھ اپنے ارادے کے تکمیل کے لئے اعضاء وجوارح کو حکم دینے کی طاقت) کا بھی مالک ہے لہٰذا انسان کی حقیقت کی اس تعریف کے مطابق بشر کی حقیقت مختلف اجزا کا مرکب

ہے۔ بشر کا مطلب ایک عاقل (نظری اور عقلی) باارادہ متحرک جسم ہے۔ یہ حقیقت مرکب اپنے کسی ایک جز کی کمی سے مکمل ہونے سے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اس دنیا میں انسان کے جسم ہونے کو اس کی حقیقت سے نکال دیں تو بھی انسانیت باقی نہیں رہے گی، اگر عقل عملی یا اس کے کچھ حصے کو انسان سے سلب کرلیں تو بھی جس موجود میں عقل عملی کی کمی ہو یا اِس کے کچھ حصے کی کمی ہو تو وہ موجود بھی انسان نہ رہ جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح اگر انسان سے حیوانیت یا اس کی حیوانیت کے کچھ حصے کو سلب کر لیں تو وہ موجود انسان نہ رہ جائے گا، اسی طرح انسان سے اس کی عقل کے پورے یا کچھ حصے کا فقدان اس کی انسانیت کے سلب ہونے کا باعث ہوگا لہٰذا آسانی سے یہ نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ عقل عملی (اور اس سے پیروی) کا ہونا انسانی حقیقت کے لئے امتیازی شئے ہے۔ مختصر اور واضح بیان میں انسانیت کی حد نصاب عقل عملی کی پیروی ہے۔ مکمل عقل عملی یا اس کے کچھ حصے کا فقدان جہل کے برابر ہے۔ دوسرے الفاظ میں جو بھی عقل عملی کی پیروی نہیں کرتا وہ جاہل ہے اور انسانیت کی حد نصاب کے لائق نہیں ہے، اگرچہ ممکن ہے عقل نظری کے عالی مراتب پر فائز ہو اور مختلف علوم میں صاحب نظر ہو۔

اس بنا پر حکمت متعالیہ میں اس بات پر تاکید کی جاتی ہے کی انسانوں کی نفوس ناطقہ موت سے پہلے مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ انسان کی نیت اور اس کے اعمال نفس کے کردار، مزاج اور اوصاف پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر انسان کی نیّات اور افعال نیک ہوں تو رفتہ رفتہ انسان بھی ملکات حسنہ کا مالک اور اخلاقی فضائل سے سرشار ہو جاتا ہے۔ جب انسان کا نفس نیک صفات کا مالک ہو جاتا ہے، تو بدن پر جو ہمیشہ اس کے ساتھ اور اس نفس کی حقیقت کو دکھانے والا ہوتا ہے، سیدھا اثر ڈالتا ہے اور انسان کی باطنی شکل اور اس کی حقیقت جو کہ ظاہری بدن کے ذریعے سے ہی قابل رویت ہے اور بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان ملکات حسنہ اور اخلاقی فضائل کے حصول کے بعد پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت حقیقت کا مالک ہو جاتا ہے۔[1]

اسی طرح اگر انسان نیک نیت اور نیک فعل انجام دینے کی جگہ ناپاک نیت اور برے کام انجام دے تو اُس کا بھی نفس ناطقہ پر نامناسب اثر پڑتا ہے اور بے حیائی میں تبدیل ہونے سے حقارت حقیقت انسان کا مظہر بن جاتی ہے اور ایسے نفس والے بدن کی شکل عام بدن کی شکل سے بھی زیادہ بدصورت ہو

۱۔ صدرالدین شیرازی، محمد، المبدا والمعاد، ص ۵۵۳-۵۵۲

جاتی ہے۔ یہاں تک کی انسان کی مثالی بدن کی شکل حیوان میں تبدیل ہو جاتی ہے اور رذائل کے زیر اثر وہ حیوان سے بھی بدتر موجود میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ انسان نیک کاموں سے مسلسل دوری اور اپنی عقل عملی کے احکام سے بغاوت کرکے حیوان میں یا اُس سے بھی برے موجود میں تبدیل ہو جاتا ہے لہٰذا عقل عملی کی پیروی انسان کی حقیقت اور فطرت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

انسان کی حقیقت وحی کی نظر سے

خدا ہر چیز کا خالق ہے من جملہ انسان کے۔ اشیاء کا خالق اپنے تمام موجودات پر وجودی احاطہ رکھتا ہے۔ اس کے الفاظ علم انسان شناسی میں انسان اور دیگر مخلوقات کی تعریف کے لئے سب سے درست اور سب سے زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں۔

قرآن کی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کچھ انسان بعض برے کام انجام دینے کی وجہ سے اپنی عقل عملی کھو دیتے ہیں اور انسانیت کے زمرے سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ انسان نما موجودات حیوانی سیرت یا حیوان سے بھی بدتر سیرت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے پاس آنکھ، کان اور دماغ ہوتا ہے اور اچھائی اور برائی کو بخوبی پہچانتے ہیں (یعنی اُن کی عقل نظری درک کرتی ہے) لیکن چونکہ ان اچھائیوں پر وہ عمل نہیں کرتے اور برائیوں سے دوری اختیار نہیں کرتے لہٰذا ان کی عقل عملی ضعیف ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی انسانی شناخت کھو دیتے ہیں اور چونکہ ان کے پاس عقل عملی نہیں ہوتی لہٰذا حیوانات کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی نگاہ میں ایسے لوگ اندھے، بہرے اور عقل عملی سے یتیم ہوتے ہیں۔ قرآن کریم بعض انسان نما انسانوں کو اس طرح پہچنواتا ہے۔

کچھ آیات کہتی ہیں کہ بعض افراد عقل نظری ہونے کے باوجود اور اتمام حجت کے بعد بھی یعنی خدا کے دین کی حقانیت سے واقف ہونے کے بعد بھی کیونکہ خدا اور اس کے پیغمبر کی پیروی کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور خدا کی آیات کو جھٹلاتے اور نکارتے ہیں, لہٰذا انسانوں کے زمرے سے خارج ہیں۔ یہ افراد منزلت کے اعتبار سے حیوان یا حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس قسم کی آیات مندرجہ ذیل ہیں:

سورہ جمعہ کی آیت نمبر پانچ نے صدر اسلام کے یہودی علماء کو جو احکام الٰہی پر پابند نہیں تھے اور خدا کی آیات کو جھٹلاتے تھے، اُن گدھوں جیسا بتایا ہے جو بہت ساری کتابیں حمل کرتے ہیں۔ یہ افراد

پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ کی رسالت اور آپ کا جاودانہ معجزہ یعنی قرآن بر حق ہے لیکن چونکہ ان کا انکار کیا اور جھٹلایا اس لئے اِنسانیت کے زمرے سے خارج ہو گئے۔

اسی طرح سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۵ اور ۱۷۶ میں بلعم باعورا نام کے یہودی عالم کے بارے میں بتایا گیا ہے جو حضرت موسیٰ کے دور میں زندگی بسر کرتا تھا اور شروع میں درگاہ الٰہی سے وابستہ افراد میں سے تھا لیکن چونکہ کچھ عرصے بعد استکبار اور دنیا طلبی کی وجہ سے خدا کے دین سے ہٹ گیا اور اس کا انکار کر دیا اور حضرت موسٰی سے سر کشی کرنے لگا لہٰذا قرآن کریم نے اس کو (اور اس کے جیسے لوگوں کو) جو خدا کی معرفت ہوتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں, کتّا بتایا ہے:

"اور انہیں اس شخص کی خبر سنایئے جس کو ہم نے آیتیں عطا کی اور پھر وہ ان سے بالکل الگ ہو گیا اور شیطان نے اس کا پیچھا پکڑ لیا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا (۱۷۵) اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان ہی آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تو اب اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے ہے، یہ اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو اب آپ ان قصوں کو بیان کریں کہ شاید یہ غور و فکر کرنے لگیں۔"

یہ جو ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی مثال کتے جیسی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دائرہ انسانیت سے خارج ہو گیا ہے کیونکہ اس نے اپنی عقل عملی کی پیروی نہیں کی اور نیک کام (جو عقل عملی کا حکم تھا) انجام نہیں دیا بلکہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کیا۔

اسی لئے خداوند سبحان سورہ فرقان میں ارشاد فرماتا ہے:

"کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ان کی اکثریت کچھ سنتی اور سمجھتی ہے، ہر گز نہیں، یہ سب بس حیوانوں جیسے ہیں اور بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"[۱]

سورہ اعراف کی آیات میں آگے اس طرح بیان ہوا ہے:

۱۔ سورہ فرقان، آیات ۴۴-۴۳

"اور یقیناً ہم نے جن وانس کی ایک کثیر تعداد کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کے پاس دل (عقل) ہے مگر سمجھتے نہیں ہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں۔ یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ اور یہی لوگ اصل میں غافل لوگ ہیں (یعنی خدا سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور اس سے غافل ہوگئے ہیں ۔[۱] "

" جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی, ایسے بہرے اور گونگے ہیں جو تاریکی میں بسر کر رہے ہیں ۔[۲]"

" اے ایمان والوں خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور ان سے روگردانی نہ کرو جب کی تم سُن بھی رہے ہو اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ کچھ نہیں سن رہے ہیں۔ اللہ کے نزدیک بدترین , زمین پر چلنے والے وہ گونگے اور بہرے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔ "

خدائے خالق ایسے موجودات کو اندھا بہرا اور فہم و درک میں عاجز جانتا ہے، حالانکہ ایسے افراد کے پاس بظاہر دیکھنے اور سننے کی قوت اور عقل نظری ہے۔ خدا کی مراد یہ نہیں ہے کہ یہ افراد عقل نظری میں ضعف کی وجہ سے حق کو پہچاننے سے قاصر ہیں اور اس کی پیروی نہیں کرتے۔ اسی لئے اگلی آیت میں جہنم میں ڈالنا ایسے لوگوں کی جزا بتائی گئی ہے۔ حالانکہ یقیناً جس کی عقل نظری صحیح سے نہیں پہچان پاتی اور اس کا علم کم ہے وہ انسانیت سے خارج اور جہنم میں داخل نہیں ہے لہٰذا یہ پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں عقل سے مراد عقل عملی ہے۔

قرآن کریم کی کچھ آیات نے ان لوگوں کو جنہوں نے آگاہانہ طور پر اس کے دین سے منہ موڑا اور ساتھ اس سے جنگ کرتے ہیں اور خدا پر جھوٹے بہتان لگاتے ہیں، خدا کے دین کی تحریف کرتے ہیں اور لوگوں پر سعادت کے راستوں کو بند کرتے ہیں اور انہیں بھی اپنی طرح گمراہی تک لے جاتے ہیں، جانوروں سے بھی بدتر بتایا ہے۔ ان میں سے کچھ آیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۹

۲۔ سورہ انعام، آیت ۳۹

"خدا اُن کافروں کے اعمال برباد کر دیگا جنہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا"۔ [۱]

"جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ (دنیا) کا مزہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں، جب کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے"۔ [۲]

"اُن سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اپنے خدا پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں؟ یہ لوگ اپنے خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو گواہ (پیغمبر اور فرشتے) گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے اپنے خدا پر جھوٹے الزام لگائے، خدا کی لعنت ہو ظالموں پر جو (لوگوں) کو راہ خدا سے روکتے ہیں اور اس میں تحریف پیدا کرتے ہیں اور (یقیناً) یہ لوگ آخرت کے بارے میں کافر ہیں۔ یہ لوگ نہ روئے زمین پر خدا کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ ہی خدا کے سوا کوئی ناصر پائیں گے۔ خدا کا عذاب ان پر دوگنا کر دیا جائے گا، ان میں کبھی بھی سننے کی صلاحیت نہیں تھی اور کبھی بھی حق کو نہیں دیکھا" [۳]

اسی طرح، قرآن کریم کی بعض آیات نے پیغمبر اسلام (ص) سے عہد شکنی کو بھی مقام انسانیت سے تنزل کا سبب بتایا ہے۔ خدائے متعال سورہ انفال کی آیت نمبر ۵۵-۵۶ میں ارشاد فرماتا ہے:

" زمین پر چلنے والوں میں بدترین افراد وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر لیا، اب وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ وہ جن کے ساتھ آپ نے عہد کیا ہے وہ ہر بار اپنا عہد توڑتے ہیں اور اس کام سے باز نہیں آتے۔"

نتیجہ یہ کہ عقل اور وحی کے حساب سے انسان ہونے کے لئے عقل نظری کا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ عقل عملی کا ہونا یعنی اس کی پیروی بھی انسانی جوہر کے اہم اجزا میں سے ہے۔ اگر عقل عملی کا کام اچھے اور برے کے درک تک ہی ہوتا تو خدائے متعال قرآن کریم میں اِن انسان نما حیوانات کو جن پر حجت پوری ہو چکی ہے اور اچھی طرح سے اچھائی اور برائی کو سمجھتے ہیں، بے عقل کیوں کہا ہے؟

۱۔ سورہ محمد، آیت ۱

۲۔ سورہ محمد، آیت ۱۲

۳۔ سورہ ھود، آیات 18-20

اسی طرح، ان عقلانی اور وحیانی دلائل سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ انسان عقل کی نظر سے اور قرآن کی نگاہ میں ایسا موجود ہے جس کی عقل عملی بھی کام کرے۔ چنانچہ جس کے پاس عقل عملی نہ ہو یا واضح الفاظ میں اگر کوئی اپنی عقل عملی کی پیروی نہ کرے تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شخص انسانی حقیقت اور شناخت کا مالک ہے لہٰذا اس نکتے سے عیاں ہے کہ عقل عملی کی پیروی انسان ہونے کا سب سے اہم جز ہے اور کسی میں یہ اہم جز نہ ہو تو وہ انسان نہیں ہے۔

مختصراً، اب تک جو گزرا اس سے یہ نتیجہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ حیوان ناطق کا مطلب حیوان عاقل ہے۔ عقل ایسی حقیقت ہے جسے خدا نے انسان کو عطا کی ہے تاکہ اِس کے ذریعے سے وہ سعادت تک پہنچ سکے لہٰذا عقل دو قسم کے فعل انجام دیتی ہے۔ عقل نظری کا کام حاضر و غائب سے مرتبط امور کو درک کرنا ہے، چاہے وہ آشکار ہوں یا تفکر سے حاصل ہوں۔ انسان کی عقل عملی کی شان یہ ہے کے پہلے وہ ضروری و غیر ضروری امور سے مرتبط امور کو درک کرے اور پھر انسان میں ارادہ پیدا کرکے اس کے اعضاء و جوارح کو حکم دے کہ وہ نیک کام انجام دے اور برے کاموں سے بچے۔ اگر کسی کی عقل عملی اس کے لئے فائدہ مند واقع نہ ہو تو وہ انسانیت کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی موجود میں عقل نظری یا حیوانیت نہ ہو، تو بھی وہ انسان نہیں ہے۔

انسانوں میں فطری اختلاف

عقل عملی کی پیروی اور اس کے نتیجے میں کمالات کے حصول کے درجات مختلف ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بعض افراد دوسروں سے زیادہ اپنی عقل عملی کی پیروی کرتے ہیں اور نتیجے میں اور بھی زیادہ اخلاقی کمالات کے مالک ہو جاتے ہیں کیوں کہ کمالات کی مقدار انسانیت کے مقدار پر سیدھا اثر انداز ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان ہونے کے مختلف درجات ہیں، اس بناپر سبھی انسان، انسان ہونے میں ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں بلکہ کچھ، دوسروں سے زیادہ انسان ہیں۔ لوگ جس قدر انسان کامل یعنی انسان کے لئے تصور کئے جانے والے رفیع ترین مقام سے نزدیک تر ہونگے، اُن کی انسانیت ایسے لوگوں سے زیادہ ہوگی جو انسان کامل کے مقام سے زیادہ دوری پر ہیں لہٰذا انسان ہونا تشکیکی امر ہے۔ اس کا آغاز عقل عملی کی پیروی کرکے انسانیت کے رفیع ترین درجہ یعنی انسان کامل تک پہنچنا ہے۔ حقیقی انسان وہ ہے جو مسلسل اِن دو لفظوں کے درمیان چلتا رہے۔ چونکہ انسان کا وجود ہر لمحہ جوہری حرکت میں ہے لہٰذا اس ذاتی حرکت کے مختلف مواقع سے بشر کا ذہن

جن فطرتوں کو خلاصہ کرتا ہے وہ ایک دوسرے کے برابر نہیں ہوتی بلکہ بشری کمالات کے مالک ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس قدر انسان اپنی عقل عملی کی زیادہ پیروی کرے گا اتنا ہی زیادہ کمال حاصل کرے گا اور انسان کامل کے درجے سے جو کہ انسانیت کا نقطہ عروج ہے، قریب ہوگا اور انسان کامل سے شبیہ ہوگا۔ انسان کامل کے والا مقام کو قرآنی ادبیات میں خلیفہ الٰہی کا مقام کہا گیا ہے۔ اس والا مقام پر پہنچنا ہر انسان کے لئے نقطہ اوج سعادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرتاً یعنی اپنی ذات سے سبھی انسان اس والا مقام پر پہنچنے کے خواہاں ہیں۔

نیک کام کی تعریف

اب تک ہم نے جانا کہ عقل عملی انسان ہونے کا معیار ہے جس کا کام نیک کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے پرہیز کرانا ہے۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی پایا کہ عقل عملی کی پیروی یعنی نیک کام انجام دینا اور بُرے کاموں سے اجتناب کرنا انسان کی انسانیت کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ اب ہم کو یہ جاننا ہوگا کہ کن کاموں کو نیک کام کہا جاتا ہے، جس کو انجام دے کر انسان انسانیت کے معیار تک پہنچ سکتا ہے یا اپنی انسانیت میں اور اضافہ کر سکتا ہے۔

جواب میں کہنا ہوگا کہ نیک کام وہ ہیں جن کا کمال کے ساتھ ذاتی تعلق ہو۔ یوں کہا جائے کہ وہ کام نیک ہے جس کو انجام دینا عامل کے کمال میں اضافہ ہونے کا سبب بنے یا اس میں موجودہ کمال کی حفاظت کا موجب ہو لہٰذا یہ نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ خدائے متعال بطور لا محدود سبھی کمالات کا واحد ذریعہ ہے، دنیا میں موجود ہر قسم کے کمال کا اِس سے براہ راست رابطہ ہے۔ واضح تر الفاظ میں جہاں کہیں بھی مخلوقات میں کمال موجود ہے وہ کمال خدا کی طرف سے مخلوق کو عطا ہوا ہے، اب چاہے مخلوق نے خود اپنی کوشش اور اختیار سے خدا کی اس کی عطا کے لئے پس منظر تیار کیا ہو یعنی نیک کام انجام دے کر خدا سے کمال حاصل کیا ہو یا یہ کی پیدائشی طور پر خدا کی طرف سے اس کو یہ کمال عطا ہوا ہو، لہٰذا نیک عمل ایک ارادی عمل ہے جسے موجود مختار (باارادہ اور باشعور) خدا سے قریب ہونے کے لئے انجام دیتا ہے۔ بس اسی صورت میں وہ عمل کمال کا حامل ہوگا۔ نتیجتاً نیک کام وہ ہے جو کمال کا حامل (حسن فعلی) ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے عامل کی نیت بھی قرب الٰہی (حسن فاعلی) ہو۔

لازم بہ ذکر ہے کہ اعمال میں حسن فعلی اور حسن فاعلی مسلسل ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں کیونکہ کسی بھی کام کا حسن فعلی وہ کمال ہے جو اس کام میں ہے اور چونکہ عمل کے ذریعے سے کمال تک پہنچنے کا راستہ کمالات کا منبع یعنی خدائے متعال سے ارتباط سے ہی ممکن ہے لہٰذا عمل اسی صورت میں حسن فعلی یعنی کمال و خیر سے آراستہ ہوگا جب وہ عمل حسن فاعلی یعنی خدا کے لئے انجام دینے کی نیت کے ہمراہ ہو۔

اس بنا پر اگر کسی عمل میں حسن فاعلی نہ ہو یعنی کام کو انجام دیتے وقت عامل کو خدا (کمالات کا منبع) سے قرب مقصود نہ ہو، یا اُس عمل میں بذات خود حسن فعلی نہ ہو، یعنی اس کے ساتھ کوئی کمال نہ ہو جیسے کے ظلم کی طرح کوئی بُرا کام ہو تو وہ عمل نیک نہیں ہوگا لہٰذا ہر نیک کام میں حسن فعلی اور حسن فاعلی دونوں پہلوؤں کا ہونا لازمی ہے، ورنہ وہ کام نیک شمار نہیں ہوگا اور اس کام کا عامل اس کام کو انجام دینے کی وجہ سے نیکو کار نہیں مانا جائے گا اور چونکہ عقل عملی کی پیروی یعنی عمل میں عاقل ہونا، نیک کام انجام دینے پر مشروط ہے، لہٰذا ایسے عمل کو انجام دینا جس کے فاعل کی نیت قرب الٰہی نہ ہو (حسن فاعلی نہ پایا جائے) تو وہ کام بھی عقل عملی کی پیروی نہیں شمار ہوگا۔

خدا پر ایمان، عقل عملی اور نیک کام انجام دینے کے لئے شرط

اب تک کے بیان سے یہ نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ عقل عملی کا ایک کام نیک اعمال انجام دینا ہے، اور نیک کام کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اُس کام کا خدا کی رضا یعنی اُس سے تقرب کے لئے انجام دینا ہے لہٰذا یہ بات پتہ چلتی ہے کہ نیک کام کے عامل کو خدا کے وجود پر اعتقاد لازمی ہے، کیونکہ بغیر اعتقاد کے کسی کام کو اس سے تقرب کے لئے انجام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

اس بنا پر اگر کوئی خدا کے وجود کی دلیل کو جانتا ہے، یعنی باوجود اس کے کہ اُس کی عقل نظری کام کر رہی ہے وہ خدا پر بالکل اعتقاد نہ رکھتا ہو یا اگر خدا کے وجود پر اعتقاد ہے لیکن پھر بھی وہ اپنا کوئی بھی کام خدا سے تقرب کی غرض سے انجام نہ دے تو اس نے عقل عملی کی پیروی نہیں کی ہے لہٰذا وہ مکمل طور پر عاقل نہیں ہے اور وہ شخص انسان کامل کا مصداق نہیں ہے کیونکہ ناطقیت کی فصل یعنی عقل نظری کا مالک ہونا اور عقل عملی کی پیروی کرنا، پوری طرح سے اُس میں موجود نہیں ہے، اگرچہ ناطقیت کے کچھ اثرات جیسے کہ سننے اور سمجھنے کی قوت اُس میں موجود ہوں۔ ایسے لوگ حیوان سے برتر اور انسان سے پست تر ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کچھ دینی متون میں مثلاً قرآن کریم کی بعض آیات میں ایسے لوگوں کو تو حیوانات

سے بھی پست تر بتایا گیا ہے کیونکہ باوجود اس کہ کہ اُن کے پاس عقلی عمل کی پیروی کرنے کی قوّت تھی، انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی۔ حاصل یہ کہ منطق اور قرآن کی رو سے وجود خدا پر اعتقاد اور اس سے ارتباط دونوں ہماری انسانی فطرت میں نہاں ہے۔

انسانی حقیقت کے تشکیکی درجات

ہم نے جانا کہ عقل عملی کا مالک ہونا یعنی اس کی پیروی کرنا انسان کی فصل ہے۔ اسی طرح یہ بھی جانا کہ خدائے متعال کے وجود پر اعتقاد اور خیر کے منبع سے ارتباط، انسانیت سے کبھی نہ جُدا ہونے والی حیثیت ہے لہٰذا جتنا زیادہ انسان اپنی عقل عملی کی پیروی کرے گا یعنی اپنے اعمال کو خدا سے تقرب کے ہدف سے انجام دے گا اتنا ہی زیادہ وہ انسانیت کا مالک ہوگا اور انسان کامل کے اور بھی قریب ہوتا جائے گا۔ اس کے برعکس جتنا انسان نیک کاموں میں سستی کرے گا یعنی خدا سے کم ارتباط برقرار کرے گا اتنا ہی اس کی انسانیت انسان کامل کے مقام سے دور ہوتی جائے گی اور نتیجے میں اپنی انسانیت میں ضعیف ہوتا جائے گا لہٰذا انسانیت کی حقیقت کے مختلف مراتب ہیں۔ انسانیت کے درجات کا انسان کے کمالات کے ساتھ سیدھا رابطہ ہے۔ انسان کے کمالات عقل عملی کی پیروی اور نیک کام انجام دینے کی روشنی میں حاصل ہوتے ہیں۔ جتنا انسان خدا سے زیادہ ارتباط رکھے گا اتنا ہی زیادہ اس سے شبیہ ہوگا اور انسانیت میں زیادہ مکمل ہوگا اور انسانی کمالات کے رفیع تر درجات حاصل کرے گا۔

انسانیت کا اول درجہ انسان کامل کا مقام ہے۔ اس مقام پر انسان کامل اپنی زندگی میں سب سے زیادہ توجہ خدائے متعال کی طرف دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ اور فلسفیوں کی زبان میں انسانیت ایک تشکیکی امر ہے جس کا سب سے نچلا درجہ اپنی زندگی میں خدا کے ساتھ ضعیف ترین ارتباط برقرار کرنے میں ہے اور سب سے اونچا درجہ اپنی طول حیات میں خدا کے ساتھ قوی ترین ارتباط قائم رکھنے میں ہے لہٰذا انسانیت کا معیار خدا پر اعتقاد اور اس سے رابطے میں مضمر ہے۔

مسلمان عرفا اور حتی غیر مسلم عرفا نے یاد خدا کو خدا سے تقرب کا ایک راستہ بتایا ہے۔ مسلمان دانشوروں بلکہ عیسائی سِنتوں جیسے کہ ٹھامس آکویناس نے (قرون وسطیٰ کے برجستہ ترین عیسائی عرفا، فلسفیوں اور متکلموں کی پہلی صف میں تھے) انسان کے لئے سب سے اہم خیر کو خدا کے بارے میں تأمل اور تفکر بتایا ہے۔ جب انسان خدا سے زیادہ شبیہ ہوگا یعنی اور بھی زیادہ کمالات کا مالک ہوگا تو اس کی عظمت اور

کرامت بڑھ جائے گی۔ اس لئے خدائے متعال سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۳ میں ارشاد فرماتا ہے : بے شک خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، لہٰذا انسان جتنا زیادہ اپنی عقل عملی کی پیروی کرے گا اتنا ہی اس کی انسانیت میں اضافہ ہوگا۔

اب تک جو بیان ہوا اس سے ایک فلسفی نکتہ یہ ملتا ہے کہ انسانوں کی فطرت ایک جیسی نہیں ہے۔ کیوں کہ فطرت، ذہن کے باہر کے وجود کا ذہنی سانچہ ہے اور انسانوں کی فطرت کے بھی ان کے وجود کے مانند مختلف درجات ہیں۔

واضح تر الفاظ میں انسانیت مثالی فطرت نہیں ہے جس میں افراد ایک دوسرے کے مساوی ہوں، بلکہ جنسی فطرت ہے جس کی انسانوں کے تعداد کے برابر مختلف قسمیں ہیں کیوں کہ اس کا وجود جس کی منشاء حصولِ فطرت ہے، کا درجہ دوسرے انسانوں کے وجودی درجے سے الگ ہے۔ اعلی انسانی کمالات انسان کو اس کی عقل عملی کی پیروی کے مقدار کے بناپر حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثالی فطرت انسان کی جنس کی ہے جو کہ ہر فرد میں موجود ہوتی ہے۔ در حقیقت ہر فرد کے اخلاقی کمالات کا درجہ، انسانی جنس کے مثالی فطرت میں اس کے مرتبے کا تخمینہ ہے۔

انسانیت کے دائرے سے خروج

ہم نے جانا کہ خدا پر اعتقاد اور اس سے ارتباط انسانیت کے مرکز میں موجود ہے لیکن کیا ان میں سے کوئی بھی جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں رکھتا، انسان نہیں ہے؟ اس سوال کے جواب میں اس نکتے کی یاد دہانی مفید ہوگی کہ جیسا کہ کہا گیا، کسی بھی کام کو انجام دینے کی لئے خدا سے تقرب کی نیت (ارادہ) اور حضرتِ کاملِ مطلق سے کمالات حاصل کرنا ہر انسان کی عقل عملی کے فرائض میں سے ہے۔ اگر کوئی خدا کو نہ پہچانے تو اس سے رابطہ برقرار نہیں کر سکتا اور اس سے تقرب کی نیت سے اپنے کام انجام نہیں دے سکتا۔ جس قدر عامل خدا یعنی کامل مطلق کو زیادہ پہچانے گا اتنا ہی وہ خود کو اس کے جیسا بنانا چاہے گا اور اس سے قرب چاہے گا لہٰذا ان دانشمندوں کے نیک کاموں کی قیمت جو خدا کو زیادہ اور بہتر پہچانتے ہیں، دوسرے لوگوں کے نیک کاموں سے زیادہ ہے۔

اب ممکن ہے کہ ذاتی یا خاص سماجی حالات موجود نہ ہونے کی وجہ سے انسان خدا کے وجود یا اس کے کمالی اوصاف کو نہ یہ کہ جان بوجھ کر بلکہ سہواً نہ پہچان پائے اور ان پر معتقد نہ ہو۔ مثلاً کوئی انسان دنیا

کے کسی دور دراز کونے میں جیسے کہ قطب شمالی یا افریقہ کے دور دراز جنگلوں میں زندگی بسر کرتا ہو اور دینی معلومات تک اس کی رسائی نہ ہو لیکن وہ خدا کے وجود کا انکار نہ کرے اور اپنی فطرت کی آواز پر کہ خدائے متعال سبھی انسانوں کی ذات میں موجود ہے لبیک کہے۔ کیا اس صورتحال میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ انسان دائرۂ انسانیت سے خارج ہے؟ اسلامی تعلیمات نے ایسے لوگوں کو فکری مستضعف کے نام سے یاد کیا ہے۔ عقل اور وحی کی نگاہ میں اور اب تک جو انسان کی تعریف بیان کی گئی اس کی بنا پر کیا فکری مستضعف خدا سے رابطہ نہ ہونے کے باوجود انسان ہے؟ اس کا جواب ہے کہ فکری مستضعف دائرۂ انسانیت سے خارج نہیں ہونگے، کیونکہ وہ اپنی ضد سے خدا کے وجود کا انکار نہیں کرتے بلکہ ان کی توجہ اپنی فطرت کی آواز پر ہوتی ہے اور وہ لوگ اپنے عقلی دریافتوں اور بنیادی اخلاقی اصول جو خدائے متعال نے ان کی فطرت میں خلق کیا ہے جیسے کہ عدالت کی حمایت اور ظلم پر اعتراض وغیرہ پر پابند ہیں۔

خدائے متعال نے اپنے وجود کی طرف تمایل کو انسانوں کی فطرت میں قرار دیا ہے اور ان کو اسی کے ساتھ خلق کیا ہے۔ سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲ میں انسان کے اس فطری میل کو بیان کیا گیا ہے۔

مستضعف (فکری) انسان اپنی فطرت کی پابندی کی وجہ سے اور اپنے ضمیر کے احترام کی غرض سے نیک کام انجام دے سکتا ہے اور اس طرح سے وہ کسی حد تک فطری تکامل کو حاصل کرسکتا ہے لہٰذا فقط وہی لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہونگے جو یہ جان کر کہ اس دنیا کا کوئی خدا ہے اور وہ تمام نیکیوں کا منبع ہے، پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے افراد کی نفسانی خواہشات اس قدر قوی ہوتی ہے کہ ان کی پیروی کی وجہ سے ان کی فطرت دب جاتی ہے، نتیجے میں وہ لوگ اپنی فطرت کی آواز پر لبیک نہیں کہہ پاتے کیوں کہ در حقیقت وہ اپنی فطرت کی آواز کو سن ہی نہیں پاتے۔ کان ہونے کے باوجود حق کی آواز کو نہیں سن پاتے، آنکھ ہوتے ہوئے بھی حقیقت کو نہیں دیکھ پاتے۔ کیوں؟ کیوں کہ انہوں نے اپنی فطرت کو دبا کر رکھا ہے۔ خدائے متعال نے قرآن میں کئی مقامات پر اس واقعیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

"کافر ایسے ہی ہیں کہ جب وہ بلائے جائیں گے تو ان کو آواز اور پکار کے سوا
کچھ نہیں سنائی دیگا، یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اور کچھ سمجھتے نہیں ہیں۔"

یہ لوگ خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اور خود کو خدا کے قریب نہیں لے جاتے اور اس کے کمالات سے مستفید نہیں ہوتے چونکہ ایسے لوگوں کے اعمال میں حسن فاعلی اور نتیجے میں حسن فعلی نہیں ہوتا لہٰذا کسی بھی کام کو انجام دینے کی وجہ سے وہ کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتے, کیوں کہ خدائے واحد سبھی کمالات کا منبع ہے اور یہ افراد نہ صرف اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے بلکہ اس کے وجود کا انکار بھی کرتے ہیں۔ ایسے افراد کے سارے اعمال اگر چہ لوگوں کی نظر میں نیک ہوں لیکن چونکہ حقیقت میں نیک نہیں ہوتے یعنی ان میں حسن فعلی اور حسن فاعلی نہیں ہوتا اس لئے ان کی کوئی قیمت اور ثواب بھی نہیں ہوتا یعنی کمال سے سرشار نہیں ہوتے۔

خدائے متعال سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۱۸ میں ایسے افراد کے اعمال کے سلسلے میں فرماتا ہے:

> "ایسے لوگوں کے اعمال جو خدا کا انکار کرتے ہیں (بغیر کسی دلیل کے) اس راکھ کے مانند ہے جس کو آندھیوں میں جمع کرنا چاہ رہے ہوں (وہ ہر گز اس کے ایک ذرہ کو بھی جمع نہیں کر پائیں گے) اور ان کی طرف سے خدا کا بنا دلیل کے انکار دور نہ ہونے والی گمراہی ہے۔"

نتیجہ یہ کہ وہ لوگ جن پر حجت پوری ہو چکی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ خدا ہے لیکن ان سب کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں اور اسی لئے اس خدا سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے, ان کے کام نیک نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے کاموں میں حسن فاعلی (یعنی خدا سے قرب کا ہدف) اور نتیجے میں حسن فعلی (یعنی کمال لانے والا) نہیں ہوتا اس حساب سے ایسے لوگ عقل عملی کی پیروی نہیں کرتے اور اسی لئے دائرے انسانیت سے باہر رہ جاتے ہیں کیونکہ عقل عملی کی پیروی، انسان کی تعریف حیوان ناطق (عاقل) کے مطابق انسان کی ماہیت کا جز ہے۔

انسان شناسی فلسفی سے استفادہ کرتے ہوئے اس بات کو بخوبی پیش کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی ذات کا اہم رکن خدا پر ایمان اور اس سے ارتباط ہے۔ انسان کی تعریف حیوان ناطق کے طور پر کرنے کا مطلب یہی ہے کہ انسان نہ صرف عقل نظری کا مالک ہو یعنی کلی مفاہیم کو درک کرنے میں قادر ہو، بلکہ عقل عملی کی بھی پیروی کرے۔ عقل عملی کی پیروی کرنے کی شرط یہ ہے خدا پر اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ اس سے رابطہ بھی رکھے۔ دوسرے الفاظ میں انسان ایک خدا پرست حیوان ہے۔ قرآنی تعلیمات بھی ان عقلی اصول و نظریات کی باقاعدہ تائید کرتی ہیں۔ اس بناپر فلسفی اور دینی انسان شناسی کے علم کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی ماہیت و حقیقت کو طے کرنے میں عقل اور وحی ایک ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ انسان کی انسانیت کے مختلف مراتب ہیں کیونکہ اپنے کمالات کے مرتبے میں جو خدا سے رابطے کے مقدار پر منحصر ہے، برابر نہیں ہیں لہٰذا انسانیت کا وجود ایک تشکیکی امر ہے اس لئے انسانوں کی ماہیت بھی ایک جیسی نہیں ہے۔

اس بحث کے آثار و نتائج انسان شناسانہ بحثوں کے مختلف علوم میں ظاہر ہونگے۔ بطور مثال علم فلسفہ حقوق میں حقوق انسانی کی مباحث میں اس مقالے کی اسلامی تعلیمات سے بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہاں پر اس بحث کے کچھ آثار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انسانی حقوق صرف حقیقی انسان کا حق ہے جو حقیقتاً انسان نہ ہو وہ انسانی حقوق کا مالک ہونے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سبھی لوگ جو بظاہر انسان ہیں انسانی حقوق کے مستحق ہیں۔

۲۔ انسانی حقوق کے فوائد سبھی انسانوں کے لئے مساوی نہیں ہیں کیونکہ جو کوئی دوسرے سے زیادہ انسان ہوگا، اس کے انسانی حقوق بھی زیادہ ہونگے۔

۳۔ حکومت کی ذمہ داری ان انسانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے میں زیادہ ہے جن میں انسانیت زیادہ ہے۔

منابع و ماخذ:

- قرآن کریم
- ابن سینا حسین، الشفاء المنطق، مکتبہ آیت اللہ المرعشی النجفی، ج ۱، قم، ۱۴۰۵
- جرجانی، سید شریف، الحاشیہ علی شرح الشمسیہ، کتاب فروشی علمیہ اسلامیہ، تہران، ۱۳۰۴
- صدر الدین شیرازی، محمد، المبدا و المعاد، ج ۲، بنیاد حکمت اسلامی صدرا، تہران، ۱۳۸۱

❖ طالبی، محمد حسین ، علی، ترادف علوم انسانی باعلوم انسان ساز، معرفت فلسفی، ش ۴۱ ، ۱۳۹۲
❖ عبودیت، عبدالرسول، مرکز تحقیق وتوسعہ علوم انسانی، ومؤسسہ آموزشی وپژوھشی امام خمینیؒ، ۱۳۹۱
❖ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، انتشارات علمیہ اسلامیہ، تہران، ۱۳۶۴
❖ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، مؤسسہ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴
❖Staley,kevin,"New Natural Law, Old Natural Law or The Same Natural Law ?",in : American Journal of Jurisprudence, No,38, 1993